ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار*

ملت کی تعمیر نو میں جذبۂ عشق رسول ؐ کی اہمیت

مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ، دنیا و آخرت کا مرکز و محور دو ہی چیزیں ہیں ، قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم - ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا حضورؐ کی سیرت کے بارے میں یہ قول 'کان خلقہ القرآن' ان دونوں چیزوں کو اس طرح یکجا کر دیتا ہے جس طرح پھول میں خوشبو ، حضورؐ کی سیرت طیبہ قرآن کا اکمل ترین نمونہ ، اس کی چلتی پھرتی ، بولتی چالتی تفسیر بن کر ہر زمانے اور ہر جگہ کے مسلمان کے لیے رہبر و رہنما بن جاتی ہے - عاشق رسولؐ شاعر مشرق اقبال کے لفظوں میں :

وہ دانائے سبل ، ختم الرسل ، مولائے کل ، جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یسیں وہی طاہا

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ سینکڑوں انقلاب آفریں داستانیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے - اس میں کامرانیاں بھی ہیں اور ناکامیاں بھی ، پیش قدمی بھی ہے اور پسپائی بھی ، عزت بھی ہے اور ذلت و رسوائی بھی ، لیکن ہر نازک مرحلے پر جس جذبے نے سایۂ رحمت بن کر مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی ہے ، وہ عشق رسولؐ کا لازوال جذبہ ہے - میلاد النبیؐ کی تقریب سعید اسلامی تاریخ کے ہر دور میں اور ہر مقام پر بڑے تزک و احتشام سے منائی جاتی رہی ، اور مسلمانوں کے ادبیات میں عشق رسولؐ کے جذبے نے سیرت نگاری کے ساتھ ساتھ نعت رسولؐ کے ذریعے اپنے اظہار کی صورت تلاش کی ہے - مولود شریف کی پاکیزہ محفلیں ہر زمانے میں منعقد ہوتی رہیں - اور جب کبھی ملت اسلامیہ کسی قسم کے بحران سے دوچار ہوئی ، یہی محفلیں تقویت روح کا باعث بھی بنیں اور تجدید عہد کی تمہید بھی ! شعرا نے ہر دور میں حضورؐ کی نعت کہہ کر خیر و برکت کے موتی چنے - دنیا کی مختلف چھوٹی بڑی زبانوں میں نعتیہ قصائد کا کثیر سرمایہ محبت کے اس پاکیزہ لطیف جذبے کا اظہار کرتا ہے جس کا ثانی کوئی دوسرا جذبہ ہو نہیں سکتا - پھر اس جذبے کے ساتھ ساتھ ہر زمانے کے مخصوص حالات کے مطابق حضورؐ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کرنے اور اپنے مصائب پر غالب انے کی التجا اور تمنا کا اظہار بھی ملتا ہے - اگر ہم اپنے گزشتہ دور محکومی کے حوالے سے جسے

---

*پروفیسر اردو ، پنجاب یونیورسٹی -

ابتلا و آزمائش کا زمانہ بھی کہا جا سکتا ہے ، اس جذب دروں اور طلب صادق کا جائزہ لیں تو جذبۂ عشق رسولؐ کی اجتماعی قوت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے -

۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد ہند کی ملت اسلامیہ کی مثال اُس شکستہ جہاز کی تھی جو گرداب حوادث کے بھنور میں اس طرح پھنس گیا تھا کہ اس کے صحیح و سلامت ساحل پر پہنچنے کے امکانات تقریباً معدوم ہو چکے تھے - اس انتشار اور پراگندگی کے عالم میں مولانا الطاف حسین حالی نے مسدس مد و جزر اسلام لکھی اور عظمت ماضی کا پرشوکت افسانہ اور حال کی نکبت و فلاکت کا نوحہ کچھ اس مؤثر انداز میں پڑھا کہ پتھر دلوں کو موم کر دیا - اور جب وہ عروج و زوال کی داستاں سناتے سناتے مناجات کے اس مقام پر پہنچے :

اے خاصۂ خاصان رسلؐ وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

تو کون سا دل تھا جو تڑپ نہیں اٹھا تھا ، اور کون سی آنکھ تھی جو اشک بار نہیں ہو گئی تھی - یہ آج سے سو سال پہلے کا واقعہ ہے اور ہماری قومی تاریخ میں اس کی حیثیت سنگ میل کی سی ہے - پھر یہی سوز و گداز قومی زندگی کا نیا عنوان بن کر سامنے آیا ، اور قومی جد و جہد میں عشق رسول ؐ کا جذبہ عصری تقاضوں کے حوالے سے صبح آزادی کی تمہید بن گیا :

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدار یثرب و بطحا تمہی تو ہو
بپتا سنائیں جا کے تمہارے سوا کسے
ہم بے کسان ہند کے ملجا تمہی تو ہو

اس اجتماعی رجحان کی وضاحت کے لیے میں یہاں ایک پوری نعت پیش کرتا ہوں - حضور نبی کریمؐ کے محامد و محاسن بیان کرتے کرتے شاعر اپنی قومی اجتماعی فلاکت کا ذکر گریز کے طور پر بڑے سوز و درد سے کرتا ہے اور پھر اس کے جواب میں پیغمبر علیہ الصلواۃ و السلام کی طرف سے اُمت کے حق میں دعا کی جاتی ہے اور یہی شاعر کا حاصل مقصود ہے - نظم ملاحظہ فرمائیے :

مسلم ہے خدا کے بعد جس کی شان یکتائی
ہے نام اُس کا محمد ابن عبداللہ بطحائی

وہ جب آیا تو ساتھ اُس کے اک ایسا انقلاب آیا
کہ ہیں اس وقت تک مہر و مہ و انجم تماشائی

وہ ساقی جس کی محفل کے لیے دوش ملائک پر
خمستان ازل سے مے سبو میں سر بمہر آئی

وہ اُمی کر دیے حل جس کی ابجد ناشناسی نے
وہ نکتے جن کو سمجھے تھے نہ اشراق نہ مشائی

وہ آقا جس کی رحمت کی فراوانی کے دامن میں
جہان اسود و احمر نے یکساں پرورش پائی

وہ مولا جس کے لطف بے نہایت کا یہ عالم تھا
کہ تنگ اُس کے لیے تھی مشرق و مغرب کی پہنائی

بٹھایا انتم الاعلون کی مسند پر اُمت کو
مسلمانوں کے سر پر اُس نے رکھا تاج دارائی

ہم ابتک بھی اُسی کے ہیں مگر یہ کیا قیامت ہے
کہ خود منظور ہم کو ہند میں ہے اپنی رسوائی

علاج اس ساری نکبت کا ہے ایک اور وہ دعا اُس کی
اجابت کے لیے لازم ہوئی جس کی پذیرائی

یہاں تک لکھ چکا تھا میں کہ یثرب سے ندا آئی
یہ نابینا ہیں یا رب مرحمت کر ان کو بینائی

عطا کر اگلے وقتوں کی بلندی ان کی ہمت کو
اور ان کے بازوؤں کو بخش پہلی سی توانائی

پرایوں کی غلامی سے انھیں آزاد کر یا رب
بجے ان کی حویلی میں پھر آزادی کی شہنائی

برے ہیں یا بھلے ہیں پھر بھی یہ تیرے ہی بندے ہیں
مری اُمت ترے ہی کعبہ کی یا رب ہے شیدائی

(ظفر علی خاں)

اقبال نے خطبات مدراس کے چند ماہ بعد اپنے ایک عقیدت مند محمد جمیل بنگلوری کے نام خط لکھتے ہوئے اس جذبۂ صادق کی تاریخ ساز اجتماعی اہمیت کو کس سادگی و خوبصورتی سے بیان کیا ہے:[۱] ''مجھے اس اطلاع سے بے حد مسرت

۱- محررہ ۴- نومبر ۱۹۲۹ء، اصل خط انگریزی میں ہے جس کا متن یہ ہے:

I am glad to hear that the یوم النبیؐ (Prophet's Birthday) invoked great enthusiasm in South India. I believe the personality of the prophet is the only force which can bring together the scattered forces of Islam in this country.

ہوئی کہ جنوبی ہندوستان میں یوم النبیؐ کی تقریب کے لیے ایک ولولہ پیدا ہوگیا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک میں ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لیے رسول اکرمؐ کی ذات اقدس ہی ہماری سب سے بڑی اور کارگر قوت ہو سکتی ہے ۔" حصول آزادی اور قیام پاکستان کے بعد یہ رجحان کچھ نئے تقاضوں کا بھی آئینہ دار ہوگیا ہے ۔ آئیے ، اب ان کا جائزہ لیں ۔

پاکستان ، بقول قائداعظم محمد علی جناح اسلامی نظام حیات کے نفاذ کے لیے ایک تجربہ گاہ ہے ۔ دنیا کی دو بڑی متحارب قوتوں کے درمیان یہ ایک چھوٹا سا اور معصوم سا تجربہ ہے جو کسی کے خلاف نہیں ۔ لہذا اس سے کسی کے بدکنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ! پھر بھی یہ حریفوں کے ہاں "اسلامی بم" کا شور کیوں ؟

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں !

حقیقت کچھ اور ہے ۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں متحارب طاقتوں نے عالم انسانی کو ایک ڈراونے خواب سے بہت قریب تر کر دیا ہے ، جو کسی بھی لمحے حقیقت بن کر اس دنیا کو فنا کر سکتا ہے ۔ سرمایہ دارانہ نظام اپنے سامراجی دور کی بداعمالیوں اور اخلاق سوزیوں کی وجہ سے قریب المرگ ہے ، اشتراکی نظام اس کی ضد میں بڑے بلند بانگ دعوں کے ساتھ خونی انقلاب کے جلو میں ظاہر ہوا لیکن تمام لطیف حسیات انسانی کو روندتا ہوا ، اور اخلاق و انصاف اور نیکی و سچائی کی ہر قدر کو پامال کرتا ہوا ، آج یہ نظام انسانی ضمیر و احساس کے لیے نفرت کی ایک علامت بن گیا ہے ۔ یقین مانیے ، یہ عفریت بھی کسی روز بھک سے اڑ جائے گا ۔ یہ قدرت الہی کا اٹل دستور ہے اور شاید یہ بات ہماری آپ کی چھوٹی سی سمجھ میں نہ آئے لیکن دیکھنے والوں کے لیے اس کی نشانیاں موجود ہیں ۔ دور حاضر کی ابلیسی طاقتیں فرعون و نمرود کے انجام کو خاطر میں نہ لائیں لیکن ہٹلر اور مسولینی کے عبرت ناک انجام کو تو نہ بھولیں :

نہ جا اس کے تحمل پر کہ ہے بےڈھب گرفت اس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

(ظفر علی خان)

آج ہماری سب سے بڑی ضرورت اور سب سے بڑی قوت اللہ پر ایمان کامل ہے اور ایمان کی یہ دولت ہمیں حضور نبی اکرمؐ کے ذریعے ملی ہے ۔ اس وسیلے کو نہ بھولیے ۔ اس کو بھول کر ہم ایمان کی دولت سے بھی ہاتھ دھو سکتے ہیں ، کیونکہ تشکیک و الحاد کے سائے ہمارے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں ۔ علم و ادب کی ہر نوع میں یہ زہر پوری طرح سرایت کر چکا ہے ۔ اس کا تریاق عقل و دانش کے پاس نہیں ۔ صرف جذبۂ عشق سے ہی ہم اس اندھی قوت سے مؤثر طور

پر نبرد آزما ہو سکتے ہیں ۔ حبیب پاک ؐ کی سیرت کا ذرا ذرا واقعہ محفوظ ہے ۔ آپ ؐ کی امانت ، دیانت ، صداقت اور نیکی و پارسائی کا اعتراف آپ کے بڑے سے بڑے مخالف اور دشمن دین کو بھی تھا ۔ انکار اور تمرد تھا تو اس بات کا کہ لات و منات جیسے سینکڑوں اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ کر ایک ان دیکھے خدائے واحد ، لا شریک پر کیسے ایمان لے آئیں ۔ سارا جھگڑا تو اسی نکتۂ توحید کا تھا جو بڑے بڑے دانشوروں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور مکے کا ایک یتیم ؐ اس کو حل کر رہا تھا :

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

توحید ہمارے ایمان کا جزو اساسی ہے لیکن یہ حقیقت یاد رہنی چاہیے کہ دولت ایمان کی حفاظت جذبۂ عشق رسول ؐ کے بغیر ممکن نہیں ۔

دوسری بات جو ہم جذبۂ عشق رسول ؐ سے حاصل کر سکتے ہیں وہ اُخوت اور اتحاد کا سبق ہے جو اسلامی نظام حیات کے نفاذ اور اتحاد عالم اسلامی کے لیے ازبس اہم ہے ۔ اسلام میں فقہی اختلافات نے گوناگوں صورت اختیار کر رکھی ہے اور پھر مختلف فقہی گروہوں کے علاوہ کئی فرقے ہیں جو اپنے اپنے مفادات لے کر سامنے آ جاتے ہیں ۔ یہ بڑی تلخ صورت حال ہے ۔ اس رنگا رنگی میں اکثر بڑے مخلص مسلمانوں کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں ۔ اس صورت حال سے نجات کی راہ بھی حضور ؐ کی سیرت کو مرکز توجہ بنانے سے نکل آتی ہے ۔ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ، کوئی گروہ اور کوئی فرد بھی یہ جسارت نہیں کر سکتا کہ حضور ؐ کے حلقۂ عقیدت سے انحراف کر سکے ۔ حضور ؐ کی ذات اقدس ہر مکتب فکر کے مسلمان کے لیے ایک مرکز کی حیثیت رکھتی ہے ۔ کوئی مسلمان کلمۂ طیبہ کے پہلے رکن کے اقرار کے بعد دوسرے رکن سے گریز نہیں کر سکتا ۔ اگر ہر مسلمان صدق دل سے عقیدۂ توحید پر کاربند ہونے کے ساتھ جذبۂ عشق رسول سے سرشار ہو جائے تو یہ سادا سا نسخہ ملت کے سارے فقہی اختلافات اور صدیوں کے فرقہ وارانہ بخارات کا تیر بہدف علاج ہے ۔ اس سے ملت میں توازن و اعتدال پیدا ہو جائے گا ۔ رواداری کا احساس اُبھرے گا اور اُخوت اسلامی کی روح ہر مسلمان کے قلب و ذہن میں رواں دواں ہوگی ۔ اور پھر یہی روح اتحاد عالم اسلامی کی تمہید اور عالم انسانی کی نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے ۔ یاد رکھیے ، حضور ؐ کا لقب رحمۃ للعالمین ہے ۔ ہم جب اسلامی نظام کی بات کرتے ہیں تو یہ صرف مسلمانوں کی بھلائی کے لیے ہی نہیں ، عالم انسانی کی فلاح کے لیے بھی ہے ۔ کیونکہ حضور ؐ کا فیض عام سب کے لیے تھا ۔ فاتح مکہ نے اپنے قول اور عمل سے یہ ثابت کر دیا !

اب ایک واقعہ سنیے ، غزوۂ حنین (شوال ۸ھ) کے بعد مال غنیمت کی تقسیم

ہوئی۔ حسب قاعدہ پانچ حصے کرکے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے گئے اور پانچواں حصہ بیت المال کے لیے رکھ لیا گیا۔ اس موقع پر اہل مکہ پر (جو نئے نئے اسلام لائے تھے) زیادہ فیاضی ہوئی۔ انصار مدینہ اس پر رنجیدہ ہوئے اور بعض لوگوں کے منہ سے اظہار ناراضی کے طور پر کچھ ایسی نازیبا باتیں بھی نکل گئیں کہ ''رسول اللہ نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں''۔ بعض نے کہا کہ ''مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے''!

حضور نے یہ چرچے سنے تو آپؐ نے انصار کو طلب فرمایا اور اُن سے استفسار کیا۔ انصار نے کہا ''آپ نے جو سنا صحیح ہے''۔ اس پر آپؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کی نظیر فن بلاغت میں نہیں ملتی۔ انصار کی طرف خطاب فرما کر کہا: ''کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعے سے تم کو ہدایت کی۔ تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعے سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعے سے تم کو دولت مند کیا'' آپ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرے پر انصار کہتے جاتے تھے کہ ''خدا اور رسولؐ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے''۔ آپؐ نے فرمایا ''نہیں، تم یہ جواب دو کہ اے محمدؐ، تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی، تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی، تو مفلس آیا تھا، ہم نے ہر طرح کی مدد کی'' یہ کہہ کر آپ نے فرمایا کہ ''تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو، لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر آؤ۔''

حضور کا یہ فرمانا تھا کہ انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ ''ہم کو صرف محمدؐ درکار ہیں!'' اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہوگئیں۔ آپ نے انصار کو سمجھایا کہ ''مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں، میں نے اُن کو جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب کے لیے دیا۔''

تاریخ اسلام کا یہ درخشاں واقعہ آج ہمارے لیے ایک بلیغ استعارہ ہے۔ ایک طرف دنیاوی مال و جاہ ہے اور دوسری طرف جذبۂ عشق رسول ہے، ہمیں ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ کیونکہ محبت کے محور دو نہیں ہو سکتے، محبت کا مرکز و محور ایک ہی ہوتا ہے:

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا آغاز مبارک ہو، یہ ایک عہد کا ایفا ہے جو ہم نے اللہ سے اور قوم سے کیا تھا۔ اگر ہم اور کچھ بھی نہ کر سکیں، صرف نوجوان نسلوں میں عشق رسولؐ کی چنگاری بھڑکا جائیں، تو پھر دیکھیے

اس کے کیا حوصلہ افزا نتائج سامنے آتے ہیں ۔ ایک عاشق رسول ؐ تکمیل ایمان کے سلسلے میں کیا حق بات کہہ گیا ہے :

زکوٰۃ اچھی ، حج اچھا، روزہ اچھا اور نماز اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہؐ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا !

(ظفر علی خاں)

★